ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

# فکرِ اقبال کے محرکات

اقبال کی "اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید" کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بیسویں صدی میں اسلام کی تعبیر پیش کرنے کی سب سے عظیم الشان سعی ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ ان اثرات سے کرنا چاہیئے جو اس نے برِعظیم پاک و ہند کے مسلم ذہن پر چھوڑے ہیں لیکن اقبال کی عظمت ایک رہنما یا مفکر کی طرح تسلیم نہیں کی جاتی بلکہ اس کی مفکرانہ حیثیت ایک عصبیت کی سی ہوگئی ہے۔ کیونکہ آج تک بہت کم صاحب الرائے اشخاص نے یہ اہتمام کیا ہے کہ فکرِ اقبال کا تنقیدی جائزہ لیں۔ ہر وہ خیال جو اس سے منسوب کیا جائے وہ یا تو وحی کی طرح خطا سے بالاتر سمجھا جاتا ہے یا بغیر سمجھے بوجھے اس پر اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں پرستش کا یہ طرزِ عمل خود اقبال کی فلسفیانہ روح سے بھی سازگار نہیں۔ علّامہ اقبال اس طرزِ عمل کو ذہنی اضمحلال سے تعبیر کرتے ہیں جس کے ہوتے ہوئے لوگ بڑے بڑے فلاسفہ یا مفکرین کو بتوں کی حیثیت دے دیتے ہیں۔ شاید فکرِ اقبال کی روح کے ساتھ زیادہ ہم آہنگی اس بات میں پائی جائے گی کہ ہم اقبال کے فکر اور فلسفے کا غیر جانبدارانہ تنقیدی مطالعہ اس نظر سے کریں کہ ہم اس کام کو جو علّامہ اقبال کو بہت ہی عزیز تھا برابر آگے بڑھا سکیں۔ لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید کی سعی کے محرکات کیا تھے۔

یہ سعی جن اغراض کی خاطر کی گئی تھی ان میں پہلی غرض خود علّامہ اقبال کے الفاظ میں یہ تھی کہ عالمِ اسلام بہت تیز رفتاری کے ساتھ مغربیت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس حرکت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ کیونکہ یورپی ثقافت نے اپنی ذہنی سمت اسلامی ثقافت ہی کے بعض پہلوؤں کی مزید نشو و نما کی جانب استوار کی ہے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ آئن سٹائن کے نظریے نے اس کائنات کے مطالعہ کے لئے ایک نئی نظر بخشی ہے اور جو مسائل، مذہب اور فلسفے میں مشترک ہیں ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے نئے طریقے تجویز کئے ہیں۔ تیسری غرض یہ ہے کہ افریقہ اور ایشیا میں اسلام کی نئی لود اپنے یقین کی ازسرِ نو تجدید کا مطالبہ کرتی ہے۔

اسلام کی بیداری کے باعث یہ ضروری ہوگیا ہے کہ آزادی کے ساتھ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ جو فکر یورپ میں مدوّن ہوا ہے اور جن نتائج تک یورپ نے رسائی حاصل کی ہے وہ اسلامی فکر کی تشکیل میں ہمارے لئے کس حد تک معاون ہو سکتے ہیں۔ چوتھی غرض یہ ہے کہ اسلام کے بعض بنیادی تصورات پر اس اُمید سے بحث کی جاتی ہے جو انسانیت کے نام ایک پیغام کی حیثیت سے اسلام کے معنی سمجھنے میں معاون ثابت ہوں۔

علاوہ ازیں علامہ اقبال نے پُر زور طریقہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ماضی کی تاریخ کے لئے غلط قسم کا احترام اور اس کی مصنوعی تجدید کوئی علاج نہیں ہے۔ صرف ایک ہی قوت جو لوگوں میں زوال کے موثرات کا تدارک کر سکتی ہے وہ ایسے افراد کی پرورش کرنا ہے جن کی توجہ باطن کی گہرائی کی طرف مرکوز ہو۔ یہ افراد زندگی کی گہرائیوں کو منکشف کرتے ہیں، وہ ایسے معیاروں کو آشکارا کرتے ہیں جن کی روشنی میں وہ یہ دیکھنے کے لائق ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ماحول سر تا سر نقص سے مبرّا نہیں ہے اور اصلاح کا محتاج ہے۔ علامہ اقبال اپنی عبقریت کا پورا شعور رکھتے ہیں وہ اپنی قوم کو مابعد الطبعیاتی نمونہ کے طور پر ایک نیا محرک اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل سے مہیا کرنا چاہتے ہیں، جس سے یہ امکان پیدا ہو سکے کہ اس حیاتی وحدت کا جو اس آیت میں موجود ہے — ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفسٍ واحدہ کہ تمہاری پیدائش اور موت کے بعد جی اٹھنا ایک فرد کی روح کی پیدائش اور جی اٹھنے کی طرح ہے کا زندہ شعور پیدا ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس امر کا احساس رکھتے ہیں کہ دورِ جدید کے انسان نے روحانی اعتبار سے یعنی باطنی طور پر زندہ رہنا چھوڑ دیا ہے اور فکر کی دنیا میں وہ اپنے ساتھ ایک مسلسل اور کھلی ہوئی کش مکش میں مبتلا ہے۔ معاشی اور سیاسی زندگی میں بھی وہ دوسروں کے ساتھ ایک کھلی ہوئی کش مکش سے گزر رہا ہے اور وہ شدید خود غرضی اور لامحدود طلب زر پر قابو پانے میں اسلیئے اپنے آپ کو نااہل پاتا ہے ...... کہ اُس کے باطن کی سب اعلیٰ اقدار مرتی چلی جا رہی ہیں اور نتیجہ میں اس کو زندگی سے سوائے تکان کے اور کچھ میسّر نہیں آ رہا۔ وہ واقعۃً میں موجود یعنی بصری طور پر موجود کے حسّ میں اس درجہ منہمک و گرفتار ہے کہ وہ اپنے باطن کی اتھاہ گہرائیوں سے بالکل منقطع ہو کر رہ گیا ہے۔

مشرق و مغرب میں دورِ وسطیٰ کے تصوف کے جس طریقے سے حیاتِ مذہبی نے اپنے مظاہر عالیہ میں اپنی نشو و نما کی تھی اب علاوہ ناکام ہوگیا ہے اور ایک عام آدمی کی حیات باطنی کے قویٰ کو منظم کرنے اور اس طرح اس کو تاریخ کی

دوڑ میں شمولیت کے لئے تیار [illegible] بلکہ اسے جھوٹے ترک کی تلقین کی ہے اور اسے اپنے جہل اور روحانی ہیجان پر بالکل قانع کر دیا ہے۔

دورِ جدید کے مسلمان ترکی، مصر اور ایران میں قوت و حرارت کے نئے سرچشموں کے حصول کے لئے نئی وفاداریوں کی تلاش پر [illegible] ہو گئے ہیں۔ مثلاً زمین پیوندی یا حبّ الوطنی اور قومیت پرستی یا رنگ و نسل سے وابستگی۔ روحانی تجربہ خالصتاً ایسے مذہبی طریقے سے مایوس ہو کر جس کی بدولت ہم اپنے فکر و جذبہ کو وسعت دے کر حیات و قوت کے ابدی سرچشمہ تک رسائی حاصل کرتے ہیں، دورِ جدید کا مسلمان سادگی سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے فکر و جذبہ کو محدود کر کے قوت اور ولولے کے نئے سرچشمے دریافت کر لے گا۔ جدید الحادی اشتراکیت [illegible] نئے مذہب کی طرح کا جوش پایا جاتا ہے، خاص کر اس ہی بنع کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتی ہے [illegible] قوت اور غایت میسر آ سکتی ہے۔۔۔ قومیت اور لادینی اشتمالیت دونوں مجبور ہیں کہ نفرت [illegible] اور احتجاج کے نفسیاتی موثرات کو کام میں لائیں جن سے انسان کا روحانی افلاس بڑھے گا اور قوت [illegible] پوشیدہ منابع مسدود ہو کر رہ جائیں گے۔ مآل بہ یاس انسانیت کے آزار دل کا علاج نہ دورِ وسطیٰ کے [illegible] کا طریقہ ہے نہ قومیت اور نہ ملحدانہ اشتمالیت!

دورِ جدید کے انسان کو [illegible] تجدید کی احتیاج لاحق ہے۔ ایک ایسا مذہب درکار ہے جو اپنے مظاہر عالیہ میں نہ فرسیت ہو نہ عقیدہ محض [illegible] انسان کو اخلاقی اعتبار سے اس کی ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے تیار کر سکتا ہے جو جدید سائنس کی ترقی میں لازمی طور پر مضمر تھے اور جو یقین و اذعان کا وہ انداز دے سکتا ہو جو اسے اس زندگی میں جاں [illegible] حاصل کر لینے اور آخرت میں اسے محفوظ رکھنے کے قابل بنا دے۔

بالفاظِ دیگر فکرِ اقبال [illegible] یہ ہیں کہ مسلمان جو بہت سرعت رفتار کے ساتھ مغربی نمونے کی ثقافت کی طرف بڑھے چلے [illegible] ہیں اور اس کے نتیجہ میں جو تبدیلی پیدا ہو رہی ہے اس کے ہوتے ہوئے انہیں [illegible] بے انضباطی سے کیونکر محفوظ رکھا جائے۔

اس کے لئے ہمیں [illegible] مدِ نظر رکھنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ مغرب میں تجربی علوم نشاۃ ثانیہ کے دور میں مسلمانوں ہی کے علمی افکار کے اثر اور بازاثر سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے اگر ہم ان سے اثر پذیر ہو رہے ہیں تو ہم [illegible] اعتماد بحال رکھیں گے۔ یہ ہمارا ہی ثقافتی ورثہ تھا جو بالواسطہ ہمیں حاصل

ہو رہا ہے۔ یوں ہمیں اس کے زیر اثر نہ تو اپنی ثقافت کے دوسرے پہلوؤں کا انکار لازم ہے اور نہ یہ اثر قبول کرنا درکار ہے کہ ہم اپنے ثقافتی موقف سے ہٹ رہے ہیں۔ صرف یہ امتیاز رکھنا لازم ہے کہ ہمارے ثقافتی موثرات کے جو نتائج یورپ میں پیدا ہوئے وہ کس حد تک ہمارے مذہبی فکر کی تشکیل جدید میں معاون ہو سکتے ہیں اور ان سے انسانیت کی طرف ایک عالمگیر پیغام کی حیثیت سے اسلام کے معنی سمجھنے میں کس قدر مدد حاصل ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے علامہ اقبال علوم اور مذہب میں تطبیق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ تطبیق دو طرح سے ممکن ہے ایک تو اس طرح کہ علوم اور مذہب کے مسائل جُدا جُدا ہوں اور ان کے جوابات میں کوئی توارد اور تصادم واقع نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ مذہب اور علوم کے مسائل تو ایک ہیں ان کے جوابات میں جو تضاد پایا جاتا ہے اسے علوم کی تنقید و تصحیح سے یا مذہب کی تعبیر سے باہم مطابق اور ساز گار بنا دیا جائے۔

علامہ اقبال دوسرا نقطۂ نظر اختیار کرتے ہیں اور مذہب اور علوم میں تطبیق پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح خطبات اقبال طبعیات کے میکانی اصول علیت اور اختیار فی الارادہ کے مابین، اور مذہب کی رو سے عدم محض سے تخلیق اور حیاتیات کے نظریہ ارتقاء کے مابین، اور حیات بعد الموت اور انسان کے فانی ہونے کے مابین، اور نفسیات کی رُو سے مذہبی واردات کے نفسی امراض سے متعین ہونے اور مذہب کی رُو سے واردات مذہبی کے ایک مافوق الادراک ذریعہ علم ہونے کے مابین اور مذہب کے اس موقف کے کہ مذہبی واردات ذریعہ علم ہیں اور علوم جدید کے اس موقف کے مابین کہ حسی ادراکات ذریعہ علم ہیں تطبیق کی سعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ تطبیق ان اذہان کے لئے ایک لزامی جواب کی حیثیت رکھتی ہے جو تجربی علوم کے نتائج کے صحیح تسلیم کرنے کو اسلام سے منحرف ہونا سمجھتے ہیں اور اسلام میں ان نتائج کے قبول کرنے کی گنجائش نہیں پاتے یا ان نتائج کی صحت کے سامنے اسلامی تصورات کو غیر علمی سمجھتے ہیں۔ ان کی اصلی فلسفیانہ پوزیشن وہی ہے جو وہ اسرار و رموز اور ارمغانِ حجاز میں پیش کرتے ہیں۔

جہاں تک ایک طرف اس موقف پر جو اشتراکیت کے علم بردار اور ملکی یا نسلی قومیت کے حامی اختیار کرتے ہیں علامہ اقبال کی تنقید کا تعلق ہے اور دوسری طرف دورِ وسطیٰ کے متصوفانہ طریقوں کے بے نتیجہ ہو جانے کی طرف نشاندہی کرنے کا تعلق ہے ہمیں یوں سمجھنا چاہیئے کہ افکار کی نشو و نما کے عمل میں

جو جدلیت اور منطقی تدریج مضمر ہے اگر ہم اب اپنے نمونہ ثقافت کے مطابق روحانیت اور اخلاق کو سیاست اور معیشت سے تطبیق دے سکیں۔ اپنی ثقافت کے سیاسی پہلو پر اس انداز سے غور کریں کہ پاکستان کی ریاست کے قیام کی غایت اسلامی فضائل کو زندگی میں راسخ کرنا اور اسلامی عدل معیشت کو راسخ کرنا ہے اور اخلاق اور معیشت باہمی، جوابی، اضافی اور مستضاقی طور پر مربوط ہیں تو بیک وقت اپنے افکار کو اسلامی، روحانی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی طور پر مربوط کر کے حضرت علامہ ہی کے فکر کی تعبیر اور تحلیل کر کے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں استحکام پیدا کرنے کے لئے ولولہ پیدا کریں گے مگر جب تک علامہ اقبال ہی کی ہدایت میں مسلمانوں کے بین الاقوامی سطح پر منظم اور مستحکم ہونے کی سعی نہ کی جائے گی ہم ان محدود وفاداریوں کے سہارے جنہیں حضرت علامہ رجعت پسندانہ اقدام سمجھتے ہیں اپنا مقام پیدا نہیں کر سکیں گے۔

---


**اپیل**

- آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے
- آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان کا منظور شدہ ادارہ ہے۔
- آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے عطیات کی رقوم انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں آپ اپنے عطیات آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے نام نیشنل بنک آف پاکستان چوبرجی برانچ لاہور، اکاؤنٹ نمبر 2 A/4 میں جمع کرائیں اور ادارہ ہذا کو اطلاع دے دیں۔

سیکرٹری آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس، فرینڈز کالونی ملتان روڈ لاہور